اُردو کا شہریار
فاروق ارگلی

پروفیسر اخترالواسع

ہمارے زمانے کی دہلی جو کہ اب قومی راجدھانی کا علاقہ کہلاتی ہے، آٹھ دلّیوں سے مل کر بنی ہے۔ ان دلّیوں نے کیسے کیسے صاحب کمال، عرفان و تصوف کے نمونے اور کتنے خاندانوں کی وجاہت اور شکوہ کے منظر دیکھے ہیں وہ اب سب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہ جنم جلی دلّی نہ جانے کتنی بار اجڑی اور اجڑ کر پھر بسی اس کا تذکرہ ہی کیا۔ بقول حالی جو کہ دلّی کے آخری مرثیہ گو تھے، انھوں نے کہا تھا کہ:

چپے چپے پہ یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

اس دلّی میں تقریباً 45 سال تو ہمیں ہوئے چاہتے ہیں لیکن اس دلّی سے ہمارا تعلق نصف صدی سے زیادہ کا ہے اور اس نصف صدی میں ہم نے جن دلّی والوں کو بہت قریب سے دیکھا اور جانا ان میں مشہور قلم کار جناب فاروق ارگلی بھی ہیں۔ فاروق ارگلی نے ساری زندگی قلم کے مزدور کی حیثیت سے گزاری اور وہی ان کی پہچان بن گئی۔ یہ کم تعجب کی بات نہیں بلکہ جائے عبرت ہے کہ فاروق ارگلی صاحب نے زندگی بھر خدمت تو اردو کی کی لیکن ان کے اور ان کے گھر والوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کا زیادہ تر کام ہندی نے کیا۔ فاروق ارگلی صاحب نے ہندی میں لکھا بھی، ترجمے بھی کیے اور کون سا ایسا میدان ہے، اچھا یا برا جس میں انھوں نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ وہ شخص جو اب فرید بک ڈپو اور ایم آر پبلی کیشنز کے لیے مقبول ترین کتابیں تیار کر رہا ہے، اگر اس نے کچھ کتابیں جو دوسرے ناموں ہی سے سہی، نہ لکھی ہوتیں، تو اچھا ہوتا لیکن آج میرا یہ کہہ دینا بہت آسان ہے لیکن پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے فاروق ارگلی صاحب جیسے لوگوں نے جو کام کیے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنے ہی پڑتے ہیں۔

فاروق ارگلی نے اپنے نام کے ساتھ اپنے وطن ’ارگل‘ کا لاحقہ اس لیے لگایا کہ ہر طرح کے دوسرے لاحقے والے فاروق پہلے سے موجود تھے۔ کم عمری میں فاروق ارگلی دلّی اور بمبئی یعنی اب ممبئی میں جا بسے لیکن ان کا مقدر دہلی سے وابستہ تھا اور وہی انھیں راس آئی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آزادی کے بعد کے 60 برسوں کی دہلی کو فاروق ارگلی صاحب نے اچھی طرح دیکھا۔ وہ اردو بازار جو کبھی کتابوں کے لیے جانا جاتا تھا اور اب کبابوں سے جس کی پہچان ہوتی ہے اور جس میں پہلے کبھی کشادہ دماغ لوگ آتے جاتے تھے، جہاں شعروشاعری کا چرچا ہوتا تھا، علم وحکمت کی باتیں ہوتی تھیں، اب وہاں پر بڑے دماغوں کی جگہ بڑے پیٹ لیے لوگ پھرتے ہیں۔

> **فاروق ارگلی نے ساری زندگی قلم کے مزدور کی حیثیت سے گزاری اور وہی ان کی پہچان بن گئی۔ یہ کم تعجب کی بات نہیں بلکہ جائے عبرت ہے کہ فاروق ارگلی صاحب نے زندگی بھر خدمت تو اردو کی کی لیکن ان کے اور ان کے گھر والوں کی پیٹ کی آگ بجھانے کا زیادہ تر کام ہندی نے کیا۔**

فاروق ارگلی صاحب نے صرف قلم کے مزدور کی حیثیت سے ہی کام نہیں کیا بلکہ وہ بابو جگ جیون رام، ان کے بیٹے سریش رام، دلیپ کمار، رحمٰن نیر، مہدی حسن، یونس سلیم، جاوید حبیب، روزنامہ ’فیصل جدید‘ کے ایس ایم عثمان، عالمی اردو کانفرنس کے بانی علی صدیقی سے وابستہ رہے اور اردو کے ایسے مہتمم بالشان پروگرام، مشاعروں سمیت ادبی محفلیں اور کئی سمینار منعقد کیے کہ جن کی یادیں ابھی تک تازہ ہیں، ہفت روزہ ہندوستانی اردو مورچہ کی ادارت کی، اردو کی سیاست کو قریب سے دیکھا بلکہ اس کا حصہ بھی رہے، دہلی میں حیدرآباد کے روزنامہ ’منصف‘ کے بیورو چیف کی حیثیت سے وقت کاٹا۔

چھ سال تک راشٹریہ سہارا اردو میں ہر ہفتے ایک مضمون لکھتے رہے، جس سے ان کی، ان کے نام سے پہچان پورے ہندوستان کیا بلکہ جہاں جہاں اردو تھی، پہنچ گئی۔ وہ اس بات کا اعتراف خود بھی کرتے ہیں کہ عالمی اردو کانفرنس اور راشٹریہ سہارا سے وابستگی نے انھیں راتوں رات شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔

فاروق ارگلی نے دہلی چھ یعنی فصیل بند شہر اور اس کی شخصیتوں اور سرگرمیوں کو بہت قریب سے دیکھا اور اس میں حصہ بھی لیا۔ فاروق ارگلی نے استاد رسا، گلفام کے سلطان اختر، یونس سلیم صاحب، خواجہ خلیل اللہ، ڈاکٹر فیروز دہلوی، مولانا ذیشان ہدایتی سب کو بہت قریب سے دیکھا۔ ان کے ساتھ ان کا رشتہ بھی رہا۔

فاروق ارگلی صاحب نے عمر کے اس حصے میں غیر معمولی کام کیے اور کیے جا رہے ہیں۔ انھوں نے فرید بک ڈپو کے لیے نہ جانے کتنے شعرا، ادبا اور اردو کے محسنین کے مجموعے اور کلیات ترتیب دیے۔ یہی کام انھوں نے ایم آر پبلی کیشنز کے عبدالصمد صاحب کے تعاون سے بھی سرانجام دیے۔ کہنے کو ان میں بڑی تعداد فرید بک ڈپو کی ہے جس کے مالک ناصر خان صاحب نے انھیں بڑی حد تک آزادی دے رکھی ہے۔ ان مطبوعات کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ایسے دور میں جب بظاہر اردو کا چلن کم ہوتا جا رہا تھا، یہ تمام لٹریچر محفوظ ہو گیا بلکہ ریسرچ اسکالرس مواد کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹکنے سے بھی بچ گئے۔

فاروق ارگلی نے شہر میر و غالب میں اپنے ساٹھ سالہ قیام کی روداد ”۔۔۔اور جمنا بہتی رہی“ کے عنوان سے قلم بند کی ہے۔ جس کو ایم آر پبلی کیشنز، دہلی نے شائع کیا ہے، اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ سچی داستان ہے، اس میں اپنے کیے ہوئے ہر اچھے برے کام کو بیان کرنے میں فاروق ارگلی صاحب نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا ہے، دوسروں کے لیے سچ بات کہنا بہت آسان ہے لیکن اپنے لیے سچ بولنا بہت مشکل کام ہے مگر فاروق ارگلی اس محاذ پر بھی پوری طرح کامیاب ہیں۔ اس خودنوشت میں وہ اپنے کو فقیر اردو کہتے ہیں جب کہ وہ فقیر اردو نہیں بلکہ ہمارے زمانے کے شہریار ہیں۔ جس طرح جمنا اپنا رخ، رفتار اور سمت بدلتی رہی، اسی طرح سے فاروق ارگلی نے بھی اپنے قلمی سفر کو جاری رکھا۔ جس طرح جمنا میں کبھی پانی کا بہاؤ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے تو کبھی اس کی خشکی دل کو بے چین کر دیتی ہے۔ اسی طرح سے فاروق ارگلی کا قلمی سفر بھی جو کہ دو چار برس کی بات نہیں بلکہ چھ دہائیوں پر مشتمل ہے، ہمیں ایک بار پھر اس بات کے لیے مہمیز کرتا ہے کہ ہم فاروق ارگلی جیسے قلم کے دھنی لوگوں کا احترام کریں، ان کی عزت کریں، کیوں کہ پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ۔ ■

(مضمون نگار جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پروفیسر ایمریٹس اور جامعہ ہمدرد میں ایڈجنکٹ پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز ہیں)

کاروانِ غزل
نوشاد
ہندوستان
اردو صحافت
1858 سے 1900 تک کا ایک مختصر جائزہ
فاروق ارگلی
ریختی
کالے دھبے گورے بدن
پدمنی
کلیات خمار بارہ بنکوی
مابعدِ سخن
کلیات
کلیاتِ جذبی
گلزارِ نسیم
مثنوی

نعتِ سرکار ﷺ

تیرے روضے کا جو دربان مقرر ہوتا
ساری دنیا سے نصیبہ مرا خوشتر ہوتا

جالیاں روضۂ اطہر کی چمکتیں ہیں مجھے
کاش دیدار کو وہ نور کا منظر ہوتا

روز ہی میں ترے روضے کی زیارت کرتا
تیری مسجد کا کوئی میں جو کبوتر ہوتا

پھر پھڑاتا میں کبھی گنبدِ خضریٰ کے قریب
سامنے میرے ترا روضۂ اطہر ہوتا

جن ابابیلوں نے کعبے کی حفاظت کی ہے
کوئی ان میں سے ابابیل میں دلبر ہوتا

نام جس پہ ہے لکھا احمدِ مرسلؐ کا قمرؔ
کاش کہ میں وہی انمول سا پتھر ہوتا

اسماعیل قمرؔ سورہوی
راجے ڈیہا بازار، سنت کبیر نگر یوپی
Mobile: 9423361895

التجا
افسانہ

محمد خورشید عالم سیف

آج ایک ضروری کام سے میں بازار کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں، میری ٹکر ایک حسینہ سے ہوگی۔ حالانکہ میں اس سے دانستہ طور پر نہیں ٹکرایا تھا۔ راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آ گیا۔

میری شامت آئی تھی جو مجھ سے ایسی گستاخی سرزرد ہوگئی۔ میرے معافی مانگنے کے کے باوجود وہ مجھ پر چڑھ بیٹھی اور لگی مجھ پر غرانے۔ وہ مجھے گھنٹوں برا بھلا کہتی رہی اور میں سرخم تسلیم اس کی گستاخیاں سہتا رہا۔

میں چاہتا تو اس کا گریبان پکڑ کر اسے اپنی اصلیت بتا دیتا مگر میں مجبور تھا کیونکہ وہ میری لاڈلی بہن کی اکلوتی سہیلی تھی اور شاید اسی لئے میں نے اسے جانے دیا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے دیکھا وہ مجھے پیچھے مڑ کر بار بار دیکھ رہی تھی۔

میں قدرے پریشان ہو گیا۔ گھر واپس آ کر ایک پل کے لئے بھی اسے بھلا نہیں پایا۔ رات رات بھر اسی کے بارے میں سوچتا رہتا۔ میرے خوابوں اور خیالوں میں وہ ہر دم بسی رہتی۔ میں چاہ کر بھی اسے اپنے وجود سے جدا نہیں کر پا رہا تھا۔

ایک صبح نہ جانے مجھے کیا سوجھا میں اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور حال دل سنانا ہی چاہا مگر اس کا جارحانہ تیور دیکھ کر میرے حواس گم ہو گئے۔ اس بار بھی وہ مجھ پر غرانے لگی تو میں سہم گیا۔ میری زبان گنگ رہ گئی اور میں نامراد واپس آ گیا۔

اس کی بے رخی نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ مگر میں نے بھی ہار نہیں مانی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا وہ ایک دن ضرور مان جائے گی اور میرے تئیں سنجیدہ ہو جائے گی۔

تمام تر کوششوں کے باوجود بھی جب میں اس کے دل میں اپنے لئے کوئی جگہ نہیں بنا پایا تو تھک ہار کر گھر پر بیٹھ گیا۔ میں اپنی دلی کیفیت کس سے بیان کرتا۔ اور اگر اسے اپنے اندر ہی دبائے رکھتا تو ایک دن غبار بن کر پھٹ جانے کا ڈر تھا۔ سو کافی ہمت جٹا کر اپنا حال دل چھوٹی بہن کے سامنے رکھا تو وہ برملا بول پڑی۔

”کہیں آپ حنا کی تو بات نہیں کر رہے ہیں؟“

”ہاں، ہاں وہی۔“ میں نے برجستہ کہا تو بہن کے منہ سے نکلا:

”اچھا اب سمجھی! آخر وہ مجھ سے آپ کے ہی متعلق باتیں کیوں کیا کرتی تھی۔

> **آپ بس اتنا کرم فرما دیں، میری سچائی جان کر اپنی چاہت کو کم نہ کریں، میرے ساتھ میری بچی کو بھی قبول فرما لیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کرم فرمائی سے آپ کی اس فاش غلطی کا مداوا ہو جائے۔**

مثلاً آپ کے عادت و اطوار کیسے ہیں؟ آپ کی پسند نہ پسند کیا ہیں اور تو اور اس نے یہ تک جان لیا کہ آخر ہماری بڑی بھابی کو بھیا نے گھر سے بے گھر کیوں کر دیا تھا، وہ بھی اس حالت میں جبکہ وہ حاملہ تھی۔ بس یہی ایک سچ بتانا تھا کہ اس نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا اور شاید اسی لیے وہ آپ سے بھی...“

بہن کے ذریعہ ان حقائق سے روبرو کرائے جانے کے بعد کم از کم اس کی ناراضگی کا انداز ہ تو ہوا مگر میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا اتنی چھوٹی سی بات اتنی بڑی ناراضگی کی وجہ بن سکتی ہے!

میں نے بہن کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ کسی طرح اصل وجہ کا پتہ لگائے مگر مشکل یہ تھی کہ اب اس نے بہن سے قطع تعلق کر لیا تھا۔

جب میں نے دوسرے ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو راز یہ کھلا کہ وہ مطلقہ ہے، اس کی پہلی شادی ہو چکی ہے اور ایک بیٹی بھی ہے۔

میں نے اسے بھول جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ مگر قسمت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک موڑ پر وہ مجھ سے پھر سے ٹکرا گئی مگر اس بار اس کے چہرے پر مسکان اور باتوں میں نرمی تھی۔ وہ کافی متانت سے مجھ سے مخاطب ہوئی اور پوچھ بیٹھی:

”آپ ساحل صاحب ہیں نا، مشہور مشاطہ!۔“ میں نے کہا۔ ”ہاں“ تو وہ پھر سے بولی۔ ”آپ کا مجھ پر ایک احسان ہے۔“

”کیسا احسان؟“ میں نے پوچھا تو وہ بولی:

”ہمارے ابا حضور کو میری شادی کے لیے رشتہ آپ ہی نے مہیا کرایا تھا۔“

”اچھا تو یہ بات!“ ”ارے نہیں بھئی، پیشے میں احسان کیسا اور کس پر! میں نے معذرت سے آگے کہا۔

”آپ کے ابا حضور نے میرا منہ مانگا معاوضہ ادا کیا ہوگا اور انہیں معتبر رشتہ مل گیا ہوگا، اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔“

”یہ آپ ہی کا تو کمال تھا صاحب! ایک کم ظرف فیملی کو دانستہ طور پر معتبر بنا کر میرے سر منڈھ دیا تھا کیونکہ لڑکے والے آپ کے دور کے رشتہ دار جو تھے۔ آج اگر میں ایک مطلقہ ہو کر اپنی بچی کے ساتھ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں تو اس کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں آپ بھی ہیں۔“ وہ ایک ہی سانس میں دل کا سارا غبار باہر نکال دی اور میں ہمدردی جتاتے ہوئے بس اتنا ہی کہہ سکا۔

”واقعی میں تمہارا گناہ گار ہوں جو ہو سکے تو مجھے معاف کر دو یا پھر جو سزا تجویز کرو میں بھگتنے کو تیار ہوں۔“

”میں کون ہوتی ہوں سزا مقرر کرنے والی؟“ وہ آگے بولی: ”آپ بس اتنا کرم فرما دیں، میری سچائی جان کر اپنی چاہت کو کم نہ کریں، میرے ساتھ میری بچی کو بھی قبول فرما لیں۔ ہو سکتا ہے اس کرم فرمائی سے آپ کی اس فاش غلطی کا مداوا ہو جائے۔“

اس کی اس التجا نے مجھے گہری سوچ میں ڈال دیا۔ مجھے قدرے احساس ہوا کہ میں ہی اس کے پیار میں پاگل ہوا جا رہا تھا اس لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں بن رہی تھی اور اس لیے میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گھر پہنچ کر میں نے پھر سے بہن سے رجوع کیا تو وہ اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گئی۔ بہن کا درد چھلک پڑا۔

”ذرا سوچئے بھیا آپ کی اس حرکت سے میری شادی کے رشتے پر کیا اثر پڑے گا۔ لڑکے والے اس کا کیا نتیجہ اخذ کریں گے۔“

میری خود غرضی نے مجھے اسے اور اس کی بیٹی کو اپنانے سے انکار کر دیا۔ مگر اس کی معصوم بچی کی ایک مسکان نے میرے پتھر دل کو موم کر دیا اور میں... ■

E-20Gulshancolony,
WestchowbagaKolkata-700105
Mobile: 6290943040

غزل

بے رونقی سے تو مجھے میری نکال دے
میری طرف بھی اپنی محبت اُچھال دے
میرے بھی شاہکار کی دنیا مثال دے
پروردگار اتنی تو حسرت نکال دے
محفل میں ہر کسی کو ہے تیرا ہی انتظار
پی کر سنبھل سکا نہ جو اُس کو سنبھال دے
نظروں کو پھیر کر ترا زلفیں سنوارنا
ہر باشعور شخص کو الجھن میں ڈال دے
اے حسنِ باکمال جوانی تجھی سے ہے
مجھ کو بھی اپنا صدقۂ حسن و جمال دے
ثقلینؔ آ رہا ہے کوئی مدتوں کے بعد
شکوے تمام آج کے توکل پہ ٹال دے

ثقلین جوالاپوری
ہری دوار، اتراکھنڈ

غزل

ہم نہ بھولے ہیں جب وفا کیا ہے
تم بھی پوچھو کبھی گلہ کیا ہے
ہم سفر ساتھ جب نہیں چلتا
اس سفر کا ہی پھر مزہ کیا ہے
اضطراب رنج اور پریشانی
مجھ کو دنیا نے یہ دیا کیا ہے
دل ہے مصروف تیری چاہت میں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
جرم الفت ہوا ہے ہاں ہم سے
شوق سے اب بتا سزا کیا ہے
کس لیے یہ خفا خفا سے ہو
کوئی بتلائے کہ ہوا کیا ہے
اس کے پیچھے پڑے ہو کیوں اخترؔ
زندگی خاک کے سوا کیا ہے

واجد اختر صدیقی
گلبرگہ (کرناٹک)
Mobile: 9739501549